

ڈاکٹر جابر حسین  
اسلام آباد ماؤنٹ کالج برائے طلباء، 4-F اسلام آباد

## پاکستانی اردو فکر کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ (سماں کی دہائی کے حوالے سے)

### Abstract:

A Thematic study of Pakistani satirical and Humorous Urdu poetry, Pakistani urdu literature of the decade of 1960s is overall a reflection of the humorous and innovating scenario of the country. We can study and see the reflection of the scenario in the urdu poetry and prose written in pakistan. we can the national, political and social circumstances. Urdu humorous poetry of Pakistan has also targeted the humorous social, political, ethical and economical situation of the decade and reflected it in an effective manner and made fun of it. this article brings fore the major areas of the age targeted in pakistani urdu humorous poetry. It will be helpfull to know not only about the circumstances and ups and downs in the decade but also the literary value of pakistani urdu humorous poetry of the decade of 1960s.

**Key Word:** satirical, Humorous, Urdu poetry, political

سماں کی دہائی کے ملکی حالات و حوادث اور معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز پر مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے تو کئی عوامل و اسباب ایسے سامنے آجاتے ہیں جو پاکستانی ظریفانہ شاعری کے موضوعات کے حوالے سے نیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ سیاسی سطھ پر پیدا ہونے والی بے اعتمادیوں کا سلسلہ قیام پاکستان کے ایک سال بعد یعنی قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات کے ساتھ ہی شروع ہوا اور ختم ہونے میں نہیں آیا۔ سیاسی حالات متغیر و دگر گوں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمام اقتدار عسکری قیادت ایوب خان نے سنبھالی۔ ایوب خان کامار شل لاء (1958ء) اور 1965ء کی پاک بھارت جھٹپت نے اس دہائی کے پاکستانی اردو ادب کو موضوعات و اسلوب کی سطھ پر متأثر کیا۔ 1958ء کامار شل لاء زمانی لحاظ سے تو سماں کی دہائی کے دائرے میں نہیں آتا لیکن اثرات اور تغیرات کے لحاظ سے اسی دہائی سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ 1965ء کے اوائل میں ہی مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ بھارت نے سرحد پر

اپنی فوجیں چوکس کر دیں۔ حالات پر قابو پانا مشکل ہوا تو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو سرحد عبور کر کے لاہور پر حملہ کر دیا اور دونوں ملکوں میں جنگ نے تباہی چاہی۔ ان دونوں واقعات نے اردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے موضوعات اور لب و لبجے کو یقیناً متاثر کیا۔

جزل یحیی خان نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تک زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھی۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا المذاک واقعہ بھی اسی زمانے میں پیش آیا۔ بہر حال اس ساری صورت حال سے وطن عزیز میں مجموعی طور پر بچل، خوف، غیر یقینی صورت، گھنٹ، نفسیاتی کشمکش سی پیدا ہوئی اور ملک میں انفرادی و اجتماعی سطح پر مختلف بے اعتدالیاں بھی اندر و نی خانہ فروغ پاتی رہیں۔ عوام انساں کو جن سماجی و معاشری حالات کا سامنا پہلے رہا ان میں کوئی نمایاں کی نہیں آئی۔ رشتہ ستانی، لوٹ مار، چور بازاری، مہنگائی، مہنگائی کے باعث تہذیبی و نفسیاتی مسائل اس دور میں عوام انساں کو اپنے پنجے میں لیے رہے ہیں۔ یہ حالات و واقعات نوزائدہ مملکت کی عوام انساں کے لیے بالخصوص اور حکمران طبقے کے لیے بالعموم آزمائش کی سخت گھٹڑی ثابت ہوئے۔

عسکری دور قیادت میں آزادی اظہار نہ ہونے کے باوجود اس دور کی پاکستانی اردو نظریفانہ شاعری اپنے مخصوص لب و لبجے کے ساتھ پہنچتی رہی۔ ان حالات و واقعات نے پاکستانی اردو نظریفانہ شاعری کے موضوعات اور لب و لبجے میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تنوع پیدا کیا۔ پاکستانی نظریفانہ شاعری اپنے عہد کے بدلتے حالات اور اضطراب اگنیز واقعات کے حوالے سے اپنی قوت مشاہدہ و تجزیہ کو بھر پور طور پر استعمال میں لاتے ہوئے دور دور تک نظر آنے والی بے اعتدالیوں، کمزوریوں اور کجھوں کو نشانہ طنز و تھنیک بناتی رہی۔ پاکستان کی مزاحیہ اردو شاعری نے ان حالات سے پیدا ہونے والی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی کمزوریوں، بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کو اپنے انداز میں موضوع بنالیا ہے۔

عمومی طور پر اردو کی نظریفانہ شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی جعفر زستی سے مرزا غالب تک پہلا دور، راجہ مہدی علی خان سے رئیس آمر و ہوئی تک دوسرا دور قرار دیا جاتا ہے جبکہ تیسرا دور میں ضمیر جعفری، مجید لاہوری، مسٹر دہلوی، نیاز سواتی، انور مسعود، سرفراز شاہد، گتار ہیگیا وی، انعام الحق جاوید، ضیاء الحق قاسمی، طلاخاں، آذر عسکری وغیرہ شامل ہیں۔ (۱)

چونچال سیالکوٹی، اکبر لاہوری، ظریف جبل پوری، مسٹر دہلوی وغیرہ ساتھ کی دہائی میں نمایاں طور پر نظر آنے والے پاکستانی اردو نظریفانہ نگار شعر اہیں۔ ان نظریفانہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز و اسلوب اور اپنے زاویہ

مشابہہ کے مطابق حالات و واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بے ڈھنگے پن اور برائیوں کو نشانہ تضییک بنالیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ادب اپنے موضوعات ہمیشہ عوامِ الناس کی روزمرہ انفرادی و اجتماعی زندگی سے لیتا ہے۔ عوامِ الناس کو جن جن مسائل کا شدت سے سامنا رہتا ہے وہی مسائل اس عہد کے شعر و ادب کا موضوع ٹھہرتے ہیں۔ ساٹھ کی دہائی میں مہنگائی نے عوامِ الناس کو نہایت ستایا۔ بے روزگاری، رشوتِ ستائی اور چور بازاری اس دور میں بھی جاری رہی۔ سیاسی و اجتماعی سرگرمیوں پر پابندی اور آزادی اظہار پر قد غن کے باعث اس دور میں نفیاً مسائل پیدا ہوئے اور اندر وون خانہ گھر یلو زندگی کی سطح پر نوک جھوٹ کے واقعات تیز ہوئے۔ اس سے خانگی زندگی سے جڑے کے مسائل ابھرے۔ زیر نظر تحریر میں نمایاں موضوعات کے حوالے سے پاکستانی طریفانہ شاعری کا ایک جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ طریفانہ شاعری میں یہاں کی سیاسی، اخلاقی، تہذیبی اور سماجی مسائل کس حد تک اور کس انداز میں منعکس ہو پائے ہیں۔

### ا۔ اعلیٰ سیاست کے نعرے، حربے اور رویے

سیاسی حوالے سے یہ دور جمہوریت اور آمریت کی کشمکش کی ایک صورت بھی رکھتا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں اگرچہ مارشل لاءِ گا اور ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جھٹپ ہوئی لیکن ساتھ ساتھ جمہوریت اور عمومی حکومت کے خواب بھی دیکھے جاتے رہے۔ اس حوالے سے عینک فریمی، سید ضامن جعفری اور مسٹر دہلوی کی بعض مزاحیہ و طنزیہ نظیمیں لا کی توجہ ہیں۔ ان نظموں میں طرافت نگاروں نے اپنے عہد کی سیاسی صورت حال اور کشمکش کو اپنے ایک مخصوص اندازِ طرافت میں نشانہ تضییک بنایا ہے۔

سید ضامن جعفری کی مزاحیہ نظم ”تحریکِ بھالی جمہوریت“، عینک فریمی کا طنزیہ قطعہ ”مرغ نامہ“ اور مسٹر دہلوی کی طریفانہ نظم ”منشور“ اپنے موضوع اور مادوں کو حوالوں سے اہم ہیں۔ مسٹر دہلوی کی طریفانہ نظم ”منشور“ میں سیاست و انوں کے عمومی رویے کو نشانہ تضییک بنایا گیا ہے۔ سیاست و ان عموماً و وٹ حاصل کرنے کے لیے عوامِ الناس سے ایسے ایسے وعدے کرتے ہیں جنہیں انہوں نے کبھی پورا نہیں کرنا۔ ایسے ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں جو کبھی بھی قابل تصور نہیں ہو پاتے۔ ایسے بے بنیاد اور ناقابل عمل وعدوں اور دعوؤں کے حوالے سے چند اشعار مسٹر دہلوی نے اپنی نظم میں شامل کیے ہیں۔

جنسیں روئی نہیں ملتی مزے سے کیک کھائیں گے  
وہ دھوکتی سے ہیں جو محروم وہ محمل سلاکیں گے

جو چل کو ترستے ہیں وہ سب فل بوٹ پائیں گے  
میں کم قیمت پر میک اپ کی تمام اشیاء منکاؤں گا  
ضعیفہ کو جواں، جبشن کو امریکن بناؤں گا (۲)

سیاست دانوں کے وعدوں اور دعووؤں کا تمام تر بھرم اس وقت کھل جاتا ہے جب انھیں اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ کیک کھلانے، فل بوٹ دلوانے، ضعیفہ کو جواں بنانے اور جبشن کو امریکن بنانے کے وعدے صاف طور پر نامعقول اور ناقابل عمل وعدے ہیں لیکن عوام ان وعدوں کی اصلاحیت جاننے کے باوجود ایکشن کے دنوں میں سیاست دانوں کے جھانسے میں آتی جاتی ہے۔

عینک فریبی کامز احیہ وطنیہ قطعہ ”مرغ نامہ“ سیاست دانوں کی ہوس زر اور شکم پروری کے روپوں کو نشانہ تضخیک بناتا ہے۔ سیاست دانوں کو ملک، قوم، عوام، قومی و عوامی فلاح و بہبود وغیرہ کی بنیادی طور پر قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی۔ بس محض انکی اپنی کرسی اور اقتدار کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ انقلاب کے نعرے کے بطن میں اپنی کرسی کا بچاؤ اور اپنے پیٹ کی فکر پہاں ہوتی ہے۔ نہایت ہی طنزیہ انداز میں اسی سیاسی بے اعتدالی کو عینک فریبی نے نشانہ طرز بنایا ہے۔

سندھ و پنجاب، سرحد و بگال  
بٹ رہی جوتیوں میں ہے اب دال  
رہبر قوم کو ہے پیٹ کی فکر  
ان کے لب پر یہی ترانہ ہے  
لاؤ شای کتاب کگڑوں کوں  
نعرہ انقلاب کگڑوں کوں (۳)

اہل سیاست کے متنزد کردہ بالا متفقی رویے پر مزید روشنی سید ضامن جعفری کی طنزیہ نظم ”تحریک بھالی جمہوریت“ سے پڑتی ہے۔ اس نظم میں سید ضامن جعفری نے سیاست دانوں کے نعروں اور بڑے بڑے پُر شکوہ الفاظ کی تہہ میں چھپے ہوئے مذموم ارادوں کو بے نقاب کیا ہے۔

جمہوریت، انقلاب، عوام کی خدمت، وطن کی حفاظت، حب الوطنی جیسے پر کشش الفاظ اور نعرے سیاست دانوں کے یہاں محض ڈرامہ بازی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ گویا سیاست دان کے ظاہر و باطن میں اور قول

و فعل میں مکمل تضاد پایا جاتا ہے۔ اسی تضاد کو سید ضامن جعفری نے اپنی متنز کرہ بالا نظم میں سامنے لا یا ہے اور اہل سیاست پر طنز کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

وہ کہہ رہے ہیں کہ جمہوریت بحال کرو  
مراد یہ کہ ہمارا بھی کچھ خیال کرو  
یہ کیا کہ ملک کو بس تم ہی پامال کرو  
اب اقتدار ہمیں دو تم انتقال کرو  
اسیِ حبِ وطن کل تھے اور نہ آج ہیں ہم  
حریصِ دولت دنیا و تخت و تاج ہیں ہم (۲)

سیاست دانوں میں اگرچہ جاہ طلبی، زر پرستی، اقتدار کا ہوس اور شہرت طلبی کا عنصر یقیناً ہوتا ہے اسی بنا پر وہ ناقابل عمل دعوے اور وعدے بھی کر لیتے ہیں لیکن یہ بھی نا انصافی ہو گی کہ انھیں سو فیصد زر پرست، شہرت طلب، جاہ طلب اور اقتدار کا بندہ قرار دیا جائے۔ یقیناً ان میں بھی وطن، ملک، قوم، عوام کی خدمت کا جذبہ تو ضرور ہوتا ہے جیسے نگاہ تحسین سے دیکھنا چاہیے۔ طنز نگار شعراء نے سیاست دانوں کی محض بے اعتمادیوں کو نشانہ تمسخر بنانے کی سمجھی کی ہے ان کی ثبت باتوں اور قابل تحسین رویوں کو بیان نہیں کیا۔ شاید ظرافت نگاروں نے ثبت نکات کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ علاوہ ازیں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا مقصد ہی سیاسی، سماجی، معاشرتی بے اعتمادیوں کو نشانہ طنز بنانا ہے لہذا یہاں یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ ظرافت نگاروں نے اپنے فن فریضے کو نبھایا ہے۔ سیاست دانوں کے منفی رویوں پر طنز کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے یہاں ثبت رویے موجود ہی نہیں یا وہ سو فیصد بے اعتمادی کا شکار ہیں۔

## ۲۔ اخلاقی و تہذیبی بے اعتمادیاں

جب سے اس خطہ ارض میں استعماری سر گرمیاں شروع ہوئیں تب سے وضعیت مشرق اور مشرقی اقتدار دنونوں دھیرے دھیرے دیوار سے لگنے لگے۔ ۱۸۵۷ء اس کا نقطہ آغاز تھا اور مسلمانوں کا نقطہ زوال۔ ۱۹۴۷ء میں الگ وطن تو حاصل کیا گیا مگر اپنی تہذیب اور اخلاق اقتدار کا احیاء نہ ہو سکا۔ سماجی کی دہائی تک آتے آتے سماجی سطح پر تہذیب اور اخلاقی قدروں کی پامالی کا جو نقشہ ابھر اس کی ایک جملک درج ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجیے۔

چاند رات آئے تو سب دیکھیں ہلائی دید کو  
اک ہمارا ہی نصیبہ ہڈیاں تڑوا گیا  
چھت پہ ہم تھے "چاند" کے نظارے میں کھوئے ہوئے  
بس اچانک "چاند" کا ابا وہاں پر آ گیا (۵)

اخلاقی زوال دراصل سماج کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی معاشی بدحالی، تہذیبی زوال اور معاشرتی پستی کی عکاسی کرتا ہے۔ سماج کا مجموعی ڈھانچا جب توڑ پھوڑ کا شکار ہو جاتا ہے تو اخلاقی زوال اپنی رفتار تیز کر دیتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال سماٹھ کی دہائی کے سماج میں بھی نظر آتی ہے۔ چوری چکاری، بختہ خوری، ہمسایوں کے اخلاق و تہذیبی حقوق کی پامالی سمجھی برائیاں نشانہ طنز و تفحیک قرار پاتی ہیں۔

یارب دل جیدی میں اک زندہ تمنا دے  
تو خواب کے پیاسے کو تعبیر کا دریا دے  
اس بار مکاں بدلوں تو ایسی پڑوسن دے  
"جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے" (۶)

---

صاحب زادے کیا کرتے ہیں؟ لڑکی والوں نے پوچھا  
"جب دیکھو فارغ پھرتے ہیں یا پیتے تمباکو ہیں"  
لڑکے کی اماں یہ بولیں "کام کرے اس کی جوئی"  
"دو بھائی بختہ لیتے ہیں ابا خیر سے ڈاکو ہیں" (۷)

اخلاقی زوال کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ قیام پاکستان کے بعد یہاں مغربی اور بیرونی دنیا کے افکار و خیالات ہر سطح پر درآمد کیے جانے لگے۔ ادبی، سماجی، فکری معاشی ہر سطح پر بیرونی خیالات کو ترقی کا زینہ سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سماٹھ اور ستر کی دہائیاں ایک طرح کی قیل و قال اور رد و قبول کی دہائیاں شمار ہوتی ہیں۔ تہذیبی و اخلاقی سطح پر بھی بیرونی طرز معاشرت اور میل جوں کے انداز و اطوار کو مقامی اقدار و روایات پر فوقیت حاصل ہوتی گئی جسے باعث ایک نقصان تو یہ ہوا کہ یہاں کی نوجوان نسل خصوصی طور پر اپنی تہذیبی و اخلاقی اقدار سے روز بروز نا آشنا ہوتی چلی

گئی اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ یہ نسل بیرونی اقدار و خیالات پر بھی کمال دسترس حاصل نہ کر پائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ یہی صورت تہذیب و کلچر، زبان، اخلاقی اقدار اور تعلیم بھی میدانوں میں نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے درج ذیل اشعار نہایت فکر انگریز ہونے کے ساتھ ساتھ بھر پور طنز بھی رکھتے ہیں۔

مشرقی اخلاق سے انگریز انساں بن گئے  
اور ہمیں تعلیم مغرب نے کرناٹا کر دیا  
سوکھ کر افلاس سے مزدور کاٹا بن گیا  
اور دولت مند کو دولت نے سٹھا کر دیا  
پڑھنے انگریزی گئے اپنی زبان بھی بھول گئے  
انڈین نیشن کو اس گٹ مٹ نے گنگا کر دیا  
کل تک زینت تھیں گھر کی آج سڑکوں کی بہار  
مولوی جی کو بھی ان مسوں نے رانجھا کر دیا (۸)

### ۳۔ مہنگائی اور چور بازاری

اس دور میں اشیائے خور و نوش کی قیمتوں میں اضافے اور مزدور کی اجرت میں کمی کے باعث عام آدمی مہنگائی کے زیر بار نظر آتا ہے۔ شعراء نے مہنگائی اور اس سے متعلق دیگر امور کو پنیظہ ریفانہ تخلیقات کا حصہ بنالیا۔ مثلاً چونچال سیالکوٹی کی ایک ظریفانہ لظم ملاحظہ کیجیے جس کا عنوان ہے ”رنگ تغزیل“۔

فاقہ مسٹی، کثرت اولاد، بیکاری و قرض  
کیا زمانہ تھا جب ان چیزوں کی سپلائی نہ تھی  
ایک لیلی تھی کہ اس کو بھی نہ حاصل کرسکا  
قیس کے وقت میں اس درجہ تو مہنگائی نہ تھی (۹)

مہنگائی اور اس سے جڑے ہوئے دیگر معاملات کو جس خوبی کے ساتھ اکبر لاہوری نے نشانہ طب نیا یا ہے اس سے اس دور کی گرفتاری اشیاء کا احوال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عوام انساں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کے بڑے مسائل ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

تلشِ گندم کو گھر سے نکلے گا قافلہ، مور ناقواں کا  
پلٹ کے آیا تو سب کے پہلو میں اک دل داعدار ہو گا  
پلٹ کے آیا تو سب کے پہلو میں اک دل داعدار ہو گا  
چڑھے گی قیمت وہ جو تیوں کی نہ کوئی ان تک پہنچ سکے گا  
"برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہو گا"  
نہ پوچھو اکبر کا کچھ ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی  
یہیں کہیں چوک میں کھڑا قیمتوں کا شکوہ گزار ہو گا (۱۰)

عوامِ الناس کے لیے مہنگائی اور گرانی اشیاء موت کے پیغام سے کچھ کم نہیں۔ عام آدمی کی زندگی تب روایاں رہ سکتی ہے جب اسے روزمرہ استعمال کی اشیاء ان کی حسبِ استطاعت قیمت پر میسر آتی رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یا تو انکی موت واقع ہو جاتی ہے یا پھر جینے کے لیے وہ ایسے راستوں پر چل نکلتا ہے جو مذہبی، قانونی، سماجی اور عقلی لحاظ سے منوع ہوتے ہیں۔ ظریفِ جبل پوری نے تو مہنگائی کو ایک شعر میں "بم" سے تشبیہ دی ہے۔ مزاح نگار شعراء کی نظریں عام عوامی مسائل پر بالخصوص ان سماجی براہیوں پر مرکوز رہیں جو اپنے عہد میں چار سو پھیلی ہوئی تھیں۔

بے لڑے جان دیئے جاتے ہیں اب تو ہم لوگ  
لائے کیا تاک کے بم پھیکا ہے مہنگائی کا (۱۱)

روزمرہ اشیاء کی قیمتیں عوام کی پہنچ اور استطاعت سے کہیں بالاتر ہونے کے باعث بڑی مشکلات درپیش تھیں۔  
عوام کا نوں تک تو خریداری کے غرض و امید سے پہنچتی ہے مگر قیمتیں سن کر اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔

ہم	بدقت	پئے	خریداری
جب	کسی	کی	دکان پر پہنچے
یوں	لگا	سن کر	قیمتِ اشیاء
جس	طرح آسمان پر	پہنچے	(۱۲)

مہنگائی کا ایک فائدہ عوامی سطح پر یہ ضرور ہوا کہ عوامِ الناس میں کفایت شعاری کی عادت بحالت مجبوری پیدا ہوئی۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی سوچ پختہ تر ہونے کے امکانات زیادہ پیدا ہوئے۔ گویا کہ عوامِ الناس کی

عقلیں گرائی اشیاء نے درست کر دیں۔ ظریف جبل پوری نے اس حوالے سے اپنے طزو تضییک کے نشر چلاتے ہوئے کیا خوب لکھا۔

عقلیں درست ہو گئیں مہنگائی کے سب  
سب بیوقوف جنگ میں چالاک ہو گئے (۱۳)

گرائی اشیاء کے باعث شعبہ طب سے تعلق رکھنے والے حضرات یعنی ڈاکٹروں نے بھی اپنے علم و مہارت کو انسانیت کی فلاح و بہبود کا وسیلہ سمجھنے سے زیادہ ذریعہ معاش بنانے شروع کیا۔ مریض کے علاج سے زیادہ فیس کی شرح پر توجہ مرکوز کر دی۔ آزادی افہار سے عوام اس دہائی میں ایسے بھی محروم تھی، اب طبیبوں کے شکنچے میں بھی بری طرح پھنس گئی۔ اس حوالے سے یہ قطعہ قابل توجہ ہے جس کا عنوان ہے ”مریض کا مال“

ڈاکٹر پہلے بھی تھے آج بھی ہیں  
فرق لیکن ہوا ہے یہ فی الحال  
ان کا مقصود تھا مریض کا علاج  
ان کے پیش نظر مریض کا مال (۱۴)

## ۵۔ رشوت ستانی

رشوت خوری اور رشوت ستانی ایسی معاشرتی و معاشری برائی ایشیائی میں زیادہ اور بر صیری پاک و ہند میں زیادہ نظر آتی ہے۔ پاکستان اپنے آغاز ہی سے اس برائی سے اپنا دامن نہ بچا سکا۔ یہ ایسی برائی ہے جس کے برے اثرات افراد تک محدود نہیں رہتے بلکہ پوری قوم اور معاشرے کو ایک ایسے عذاب میں ڈال دیتی ہے جس سے نکلنے کے لیے قوم اور لیڈروں کو بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں عسکری قیادت کے زور بازو اور بعض سخت احکامات و تغیریات کے باوجود پاکستانی سماج میں اس برائی کی بھرپور طور پر روک تھام نہ ہو سکی۔ دراصل یہ سماجی برائی اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جب اسکی پیدائش اور فروغ کے اسباب کا خاتمه کیا جائے بصورت دیگر تمام اقدامات و احکامات کے باوجود رشوت ستانی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور رہے گا۔ پاکستانی ظرافت نگار شرعاً نے اس برائی کو نشانہ طزو تضییک بناتے ہوئے اپنے فنی فریضے کو نجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل اشعار قابل مطالعہ ہیں۔

جب تک رشوت نہ لیں ہم، دال گل سکتی نہیں  
 ناؤ تنخواہوں کی تو پانی پہ چل سکتی نہیں  
 علتِ رشوت کو اس دنیا سے رخصت کیجیے  
 ورنہ رشوت لینے کی دھڑلے اجازت دیجیے (۱۵)

محبوب عزیز نے نہیت بلع اور اثر اگیز پیرائے میں علامہ اقبال کی معروف نظم ”شکوہ“ کی پیر و ڈی کرتے ہوئے ”رشوت خوری“ جیسی موزی معاشرتی و معاشری کو نشانہ تھیک بنایا اور اس موزی بیماری کے دائرہ اثر میں آنے والے تمام لوگوں کی نشاندہی بھی کرڈیں۔

آگیا گر کہیں دفتر میں کوئی بندہ نواز  
 ہوں زر میں گرفتار ہوئی قوم ججاز  
 نہ کہیں ڑول رہا اور نہ قانون کا جواز  
 پستی عملے کی گئی اور گیا حاکم کا فراز  
 ”بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے“  
 آئے رشوت کی جو زد میں تو سبھی ایک ہوئے (۱۶)

رشوت خوروں کا مدعایہ ہوتا ہے کہ انھیں عوام رشوت دیتی ہے تو لینا پڑتی ہے۔ اگر عوام رشوت ہی نہ دے تو بقول رشوت خوروں کے انھیں رشوت لینے کا شوق نہیں ہوتا۔ لیکن اس صورت حال کے بر عکس غریب عوام اپنے کام نکلوانے اور زندگی گزارنے کے لیے اکثر و بیشتر رشوت دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ بغیر رشوت دیے اسے اپنا حق ملتا نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ رشوت لینا جہاں فعل قبیح ہے وہاں دینا بھی مذموم ہے یہ دونوں صورتیں سماں میں ساتھ ساتھ چلتی نظر آتی ہیں۔

ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم  
 آکے دیتے ہیں جو احباب تو مجبور ہیں ہم  
 کام دولت سے نکلتے ہیں تو معذور ہیں ہم  
 مرد میدان ہیں ہر داؤ سے معمور ہیں ہم

خوگر جم تو دیتے ہیں دغا بھی سن لے  
بل پر دولت کے ہے راشی کی وفا بھی سن لے (۱۷)

### ۵۔ افسروں کی چاپلوسی اور خوشامد

چاپلوسی اور خوشامد وہ معاشرتی برائی ہے جو رشوت خوری کی مانند تمام عہدہ داروں میں (خواہ وہ جس نوعیت کا بھی ہو) برابر پائی جاتی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو خوشامد اور چاپلوسی وہ کمزوری ہے جو کسی شخصیت کے اندر تعمیری خلا کے باعث وجود میں آتی ہے۔ اپنے ماتحتوں سے اپنی جھوٹی تعریف کرو کر عہدہ دار اپنے اس تعمیری خلا کو پر کرنا یا چھپانا چاہتا ہے۔ جس اسے شدت سے احساس ہوتا رہتا ہے۔ اسکی ایک وجہ عہدہ دار کی بے لیاقتی اور نا اہلی بھی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ماتحت افراد عہدہ دار کو مزید بے لیاقت بنائے دیتے ہیں اور اسے ”مکھن“ لگا کر ”امتحنوں کی جنت“ میں پہنچا دیتے ہیں۔

مکھن تو حماقت کی غذا ہے ہی سراسر  
ملتا ہے مگر اہل خرد ہی کو یہ اکثر  
یا پھر ہو بڑا سیٹھ کوئی یا کوئی افسر  
مددوں جو بھولے ہیں تو عیار ہے مکھن  
مکھن ہے بڑی چیز جہاں ٹنگ و دو میں (۱۸)

سرکاری و نجی اداروں اور دفتروں میں اعلیٰ عہدیداروں سے اپنے کام نکلانے کے لیے چاپلوسی کو وسیلہ بنانا بھی ایک معاشرتی اور اخلاقی برائی ہے۔ یہ برائی اپنی تاثیر اور حدود دونوں لحاظ سے مسلسل پھیلتی جاتی ہے۔ قوی و ملکی ترقی کی راہ میں یہ برائی ایک غیر معمولی برائی ہے۔ اسی برائی کے سبب دفتروں اور اداروں میں مخفی ان لوگوں کی آؤ بھگت ہوتی ہے جو باقی توبہت کرتے ہیں مگر کام کے وقت کسی نہ کسی بہانے سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ مسٹر دہلوی نے اس برائی کو نشانہ تفصیل بنایا ہے۔

ہر شخص بڑوں کو تو یہ دے چھوٹوں سے یہ مانگے  
چھوٹا اسے اپنے سے بھی ”چھٹ بھیوں“ سے مانگے  
افسر یہ منظر کو دے، ماتحتوں سے مانگے  
ماتحت اسے بیوی سے اور پچوں سے مانگے

ہے لطف کہ مکھن کا طلب گار ہے مکھن  
مکھن ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں (۱۹)

#### ۶۔ غربت اور بے روزگاری

مملکتِ عزیز پاکستان کو اپنے آغازِ قیام ہی سے معاشری مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مہنگائی اور بے روزگاری کے ساتھ ساتھ غربت کا آسیب ابھی تک برابر ساتھ چلا آرہا ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں غربت کا آسیب حالات و تغیرات کے باعث مزید قوی تر ہونے لگا۔ عوام دو وقت کی روٹی کے لیے شدید جسمانی مشقت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ایک طرف غربت کا یہ عالم کہ دو وقت کی روٹی بمشکل میسر آتی تھی تو دوسری طرف سیاسی عدم استحکام تھا جو استحکام کی جانب رواں ہی نہیں ہوتا۔ ایسے میں غریب عوام سڑکوں پر ریڑھی لگا کر گزرا واقات کرنے پر مجبور تھی۔ عمومی طور پر صفائی کا نظام بھی قابل تعریف نہیں تھا لذار یڑھیوں پر بیچی جانے والی اشیائے خور دو نوش استعمال کرنے کے باعث پیاریاں بھی مسلسل پھیلتی جا رہی تھیں۔ گویا ریڑھی بان غربت کے مارے موت تھی رہے تھے۔ اس حوالے سے نزیر احمد شیخ کی طریقانہ نظم ”خیالی پلاو“ سے دو شعر ملاحظہ کیجیے۔

سڑک پر جو بیٹھے ”پلا“ بیچتے ہیں  
اسے بس بزور صدا بیچتے ہیں  
آلا بیچتے ہیں بلا بیچتے ہیں  
چھپی موت کو بر ملا بیچتے ہیں (۲۰)

متنزد کرہ پالا اشعار میں عوامی معاشرتی زندگی میں نظر آنے والی قیاحتوں اور بے اعتمادیوں کو نشانہ طفرہ و تمسخر بنایا گیا ہے۔ جہاں تک خواص اور ثروت مند طبقے اور حکمرانوں کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک غربت، تنگدستی اور مہنگائی جیسے موضوعات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ساٹھ کی دہائی میں پاکستان کی عوام کو جس نوعیت کی غربت کا سامنا کرنا پڑا اس کا انٹھار درج ذیل شعر میں بخوبی ہوا ہے۔

آج دو نان جس کے گھر میں ہوں  
ہاتھ میں دو جہان رکھتا ہے (۲۱)

## ۷۔ بھلی کا بحران

ایک طرف گرفانی اشیا کے باعث روزمرہ زندگی کی اشیاء عوام کی پہنچ سے دور ہوتی جا رہی تھیں تو دوسری طرف بھلی جیسی بنیادی سہولت پوری طرح فراہم کرنا بھی حکومت وقت کے لیے آسان کام نہ تھا، میں مارشل لاء لگا تو ایک نعرہ یہ لگایا گیا کہ ملک اب صنعتی ترقی کی راہ پر گامزد ہو گا۔ اس نعرے کو ۱۹۵۸ء کی عسکری حکومت نے بھی اپنے مقاصد کے لیا استعمال کیا اور ان کے بعد والی عسکری قیادت نے بھی، مگر بھلی کا بحران جوں کا توں رہا۔ بھلی کا یہ بحران بھی بنیادی طور پر عام آدمی کے لیے بھلی کا بحران بے اثر ثابت ہوتا رہا۔ عام آدمی بھلی کے بحران کی زد میں رہا۔ اس حوالے سے چچا غلام رسول کی ایک نظم ”بھلی اور پھر“، مزاحیہ پہلو کی حامل بھی ہے اور عام آدمی کے حوالے سے بحران کے اثر کو بھی واضح کرتی ہے۔

کیا بتائیں واپڈا کا کتنا اچھا ہے نظام  
آنندھی ہو لاہور میں ڈنگہ میں پڑ جاتی ہے شام  
رات کی تاریکی میں اکثر چلی جاتی ہے یہ  
ڈانگ لے کر جاتے ہیں تو تب کہیں آتی ہے یہ  
بل کسی صورت ہزاروں سے نہ نیچے آئے گا  
دھوپ میں ہو کر کھڑا صارف جمع کروائے گا (۲۲)

مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سماں کی دہائی کی پاکستانی اردو ظریفانہ شاعری اپنے موضوعات کے اعتبار سے یہاں کی معاشرتی زندگی کے مسائل، انتظامی بے اعتمادیوں، سیاسی ناہمواریوں اور اخلاقی روایوں میں پائی جانے والی ان بے اعتمادیوں کا پرده چاک کرتی ہے جن پر عموماً سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جاتی رہی ہے۔ ظرافت نگار شعراء نے ان حالات کے نتیجے میں سماج میں نظر آنے والی بے اعتمادیوں کو فکارانہ طور پر دیکھا۔ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ظرافت نگاروں نے طنز و مزاح کے مختلف اسالیب اور طریقوں کو اپنایا۔ عمومی سطھ پر نظر آنے والی مصکھے خیز صورتوں پر طنز کے نشتر چلائے۔ اس دور کی پاکستانی اردو ظریفانہ شاعری اپنے موضوعات کے اعتبار سے جہاں ملک کی سماجی، اخلاقی، تہذیبی اور سیاسی بے اعتمادیوں، ناہمواریوں، نادانیوں اور کبھیوں کو نشانہ طزرو تضمیک بناتی ہے وہاں اہل حل و عقد اور اربابِ دانش و بنیش کی ذمہ داریوں اور ان کی کارکردگی کی جانب بھی توجہ

مبذول کرتی ہے۔ عوام الناس کو درپیش مسائل کا پتادینے کے ساتھ ساتھ عمومی نمائندوں کی بے حسی، سہل انگاری اور لاپرواہی کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔

متنزکہ بالا سیاسی واقعات و حوادث، فکاہی اشعار اور ان کے موضوعات کی روشنی میں درج ذیل نتائج سامنے آ جاتے ہیں:

- ۱۔ نوزاںیدہ مملکت کے ابتدائی تیرہ (۱۳) سال سیاسی اعتبار سے نہایت کٹھن، ناہموار، دگر گون، صبر آزماء، ہمت طلب اور حوصلہ شکن تھے۔ ان تمام ناہمواریوں اور مسائل کے باوجود مملکت عزیز نے اللہ کی مدد، بعض مخصوص سیاسی رہنماؤں کی انتخک کوششوں، عوام کے جذبہ آزادی و قربانی اور قوت برداشت اور عسکری قوت کی ہمراہی میں آزادی کا سفر جاری رکھا۔
- ۲۔ قیام پاکستان کے بعد یہاں کی نئی سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی فضنا اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل و رجحانات پر مشتمل اردو کی فکاہی شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ (۲۳)
- ۳۔ زمانی لحاظ سے یہ دور پاکستانی اردو فکاہی شاعری کا ابتدائی دور جبکہ موضوعاتی رنگارنگی کے اعتبار سے اردو شعری ظرافت کا ایک نیا باب کھلایا جاسکتا ہے۔
- ۴۔ اس دور کی پاکستانی اردو فکاہی شاعری نے اپنے عہد کی سیاسی سطح پر پیدا ہونے والی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں سے نہ صرف چشم پوشی نہیں کی بلکہ بڑے تکھے اور کاٹ دار لب و لبجھ میں انھیں اپنا موضوع بنایا۔
- ۵۔ بالعموم اہل سیاست کے کم و بیش ہر مکار انہ رویے اور ہر مفاد پر ستانہ روشن کو نشانہ طزو تفحیک بنالیا ہے۔
- ۶۔ سیاسی اتار چڑھاؤ اور بے اعتمادی کو بے نقاب کرتے ہوئے فن شعر و ظرافت کے تخلیقی تقاضوں کو بھی خوب نجھایا ہے اور اس کے اسلوب کی نشرتیت کو بھی فیکارانہ انداز میں بروئے کار لایا ہے۔

## حوالہ جات

- ۱۔ سرفراز شاہد، اردو کی مزاحیہ شاعری، اکادمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان، اشاعت دوم ۷، ص ۱۲
- ۲۔ مسٹر دہلوی، عطر فتنہ، ناشر: مشتاق احمد چاندنہ، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸
- ۳۔ عینک فریکی، ”مرغ نامہ“، مشمولہ: گلہائے قبسم، مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، دوست پبلی کیشنر، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۳۲۱
- ۴۔ جعفری، سید ضامن ”تحریک بھالی جمہوریت“، مشمولہ: گلہائے قبسم، مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق جاوید، دوست پبلی کیشنر اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۲۷
- ۵۔ اطہر شاہ خاں، بحوالہ: گلہائے قبسم، دوست پبلی کیشنر اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۷۷
- ۶۔ ایضاً، ص ۲۸
- ۷۔ ایضاً، ص ۷۷
- ۸۔ غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، گلہائے قبسم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنر، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۷
- ۹۔ چونچال سیالکوٹی، بحوالہ: اردو کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سرفراز شاہد، اکادمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان، اشاعت دوم ۷، ص ۱۰۸
- ۱۰۔ اکبر لاہوری، مونج قبسم، میاں میر رودڈاک خانہ، مغل پورہ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۷
- ۱۱۔ ظریف جبل پوری، نشاطِ تماشہ، بہادر آباد، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۷
- ۱۲۔ رئیس امر و ہوی، قطعاتِ رئیس امر و ہوی، رئیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۷
- ۱۳۔ ظریف جبل پوری، نشاطِ تماشہ، بہادر آباد، کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۳۵
- ۱۴۔ رئیس امر و ہوی، قطعاتِ رئیس امر و ہوی، ناشر: رئیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۵۵

- ۱۵۔ جوش ملیح آبادی، ”رشوت“، مشمولہ: گلہائے قبسم، مرتبہ: انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۰
- ۱۶۔ محبوب عزیزی، بحوالہ: اردو کی مزاحیہ شاعری، مرتبہ: سرفراز شاپد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اشاعت دوم ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۰
- ۱۷۔ ایضا، ص ۱۸۱
- ۱۸۔ ایضا، ص ۲۰
- ۱۹۔ مسٹر دہلوی، عطر قنہ، ناشر: مشتاق احمد چاند نا، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۳۰
- ۲۰۔ شیخ نذیر احمد، واهر ہے شیخ نذیر، مرتبہ: سرفراز شاپد، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ص ۳۰
- ۲۱۔ ایضا، ص ۳۸
- ۲۲۔ غلام رسول، پچھی چاپے کی پڑاری، روداد پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۲۰